صرف اس کے سائے کا رنگ بدل جاتا ہے اور اس سائے میں نہ جانے کیا کشش ہوتی ہے کہ وہ سارے کا سارا خوف سے لبریز ہو جاتا ہے اور جیسے ہوا میں سگریٹ کی پنی کانپتی ہے ایسے ہی اس کی پسلیوں تلے اس کا دل کرزنے لگتا ہے انجانے خوف سے انجانی تبدیلیوں سے۔

''آخر میں نے ایک دن آر پار جانے کا فیصلہ کر لیا سر جی..... میں نے اسے خط لکھا کہ وہ مجھے رات کے دو بجے شملہ پہاڑ کے پاس ملے''

''اس نے میرے اس خط کا بھی جواب نہ دیا۔''

''تمہیں یقین تھا کہ وہ آئے گا؟''

''جی مجھے یقین تھا کہ وہ ضرور آئے گا۔''

''کیسے امتل؟''

''بس سر جی کچھ باتوں کا دل کو ایسے ہی یقین ہوتا ہے..... میں نے بڑا زمانہ دیکھا ہے مجھے معلوم ہے آج جس پر دم نکلتا ہے کل وہی اجنبی لگے گا..... وقت کے ساتھ ساتھ سب عشق عاشقی ختم ہو جاتی ہے..... لیکن..... وہ ایسا عشق نہیں تھا جیسے وقت کا ہتھوڑا کوٹ پیس سکے.....''

بڑی دیر تک وہ اپنے برقعے کے پھونسڑے نکالتی رہی پھر بولی..... ''بی بی کو مجھ پر بہت شبہ تھا۔ اس نے کئی دن سے میرا نکلنا بند کر رکھا تھا..... میرا سارا زیور کپڑا بھی بی بی نے نیچے لے جا کر اپنے قبضے میں کر لیا۔ بڑی کپتی تھی جوانی میں بی بی ..... مجھے ایسا ایسا مارا ہے کہ..... کہ پتہ نہیں میں انڈہ کیسے ہوں آج..... کونڈی والا ڈنڈا ہمیشہ سرہانے رکھ کر سوتی تھی۔''

''مارا کیوں؟''

''مارتی نہ تو اور کیا کرتی آپا کر مرے تھوڑا عرصہ ہوا تھا فیروزہ سات سال کی تھی اور باقی پانچ بیٹے تھے بی بی کے سارے کے سارے نکھٹو..... میری مانگ بھی تھی ان

دنوں ڈیرہ غازی خان ہزارہ سبی ..... زیارت، شورکوٹ ..... سکھر جانے کہاں کہاں مجرے نہیں ہوئے میرے ان دنوں ..... بی بی مالداری ہو رہی تھی وہ میرا عشق کیسے برداشت کرتی بھلا؟۔"

میں بولنا چاہتا تھا لیکن ہر جگہ سیمی بلھری پڑی تھی ..... اس کی جوتیاں، کینوس کا بیگ، کھلے بال جینز ..... گلابی عینک، کستوری کی خوشبو۔

"جس روز میں گھر سے بھاگی ہوں۔ اس کی روز شام سے بارش پڑتی رہی تھی پہلے میں نے ان مانے جی سے تین چار غزلیں گائیں اور پھر طبعیت کی خرابی کا بہانہ کر کے بیٹھک سے آ گئی ..... بڑی بارش تھی بڑی سردی تھی دروازے کھڑکیاں آنے جانے سے روکتے تھے میں سر پر لحاف لے کر جاگ رہی تھی کہ بی بی نے ایک سندھی نواب اوپر بھیج دیا بڑی بڑی مونچھیں گہری سیاہ آنکھیں ..... بڑی بڑی بولنے سے پہلے مسکراتا ..... اور مسکرانے سے پہلے ابرو کے بال کھینچتا ..... پرانے مراسم تھے اس کے میرے ساتھ ..... جب بھی لاہور آتا ہمارے پاس ہی ٹھہرتا تھا۔"

امتل نے لمبی سانس لی اور بڑی دیر بولی ..... نواب صاحب کا باغ تھا حیدر آباد کے قریب کیلوں کا باغ ..... بڑی آمدنی تھی ..... تین تین کاریں تھیں لیکن ہمیشہ اپنے بٹوے کو ازار بند سے باندھ کر سوتا تھا ..... باہر بارش کی چادر لٹک رہی تھی ..... زیور کپڑا سارا بی بی کے پاس ..... قسمت سے سواری کے لیے بھی دھیلا پاس نہ تھا بی بی نے سونے سے پہلے سارے پیسے مانگ لیتی تھی بہانے بہانے سے اور میں نے اس سے وعدہ کیا تھا شملہ پہاڑی کے پچھواڑے ملنے کا۔ ....."

"بڑی دیر تک سندھی سائیں اپنے باغ بیوی اور بچوں کی باتیں کرتا رہا پھر بے سدھ ہو گیا پتہ نہیں کیا بات ہے جب اللہ کو منظور ہوتا ہے تو خود بخود سبب بن جاتا ہے پہلی بار میرے دل میں کسی کو قتل کرنے کا خیال آیا۔ اس وقت وہ مجھے آدمی لگتا ہی نہیں تھا جی میں تھی کیوں نہ اس بھیڑ کو ذبح کر دوں امیر آدمی ہے بٹوے میں ہزاروں ہوں

گے۔لیکن مجھے قتل کرنے کا کوئی درست طریقہ نہ آتا تھا۔نہ میرے پاس کوئی تیز چھری تھی نہ کبھی میں نے پستول کا لائسنس بنوایا تھا لیکن اس وقت مجھے پورا یقین تھا کہ اگر مجھے کہیں سے کند چھری بھی مل گئی تو میں اس کی شہہ رگ کاٹ دوں گی کوئی بیس مرتبہ میں پلنگ سے اٹھ کر غسل خانے گئی آخر میں نے چھری کی تلاش شروع کر دی کبھی کبھی پھلوں کی خاطر میں اپنے کمرے میں چھری رکھا کرتی تھی کبھی میں اپنا پرس اٹھا کر غسل خانے میں لے جاتی کبھی سوٹ کیس اٹھا کر غسل خانے میں لے جا کر اس کی تلاشی لیتی آخر کو میں نے سندھی نواب کے ساتھ والی سائیڈ ٹیبل کا دروازہ کھولا جس وقت میں نے دروازے کھولا نواب صاحب نے میری طرف کروٹ لی اور بولے......کیا کر رہی ہو سو جاؤ''......میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا میں نے دبی آواز میں کہا......میری طبیعت خراب ہے دوائی تلاش کر رہی ہوں۔سندھی سائیں اچھا کہہ کر سو گئے......میں نے پھر کچھ دیر بعد دروازہ کھولا......سامنے چھری اور بٹوہ ساتھ ساتھ پڑے تھے۔''

میں نے دلچسپی سے امتل کی طرف دیکھا......پھر امتل پھر؟......''

''میں نے چھری اور بٹوہ دونوں اٹھا لیے اور غسل خانے کی طرف لی......لیکن وہاں تک کا فاصلہ سارا تھل بیلا تھا میں جیسے تپتی ریت پر چل رہی تھی غسل خانے میں پہنچ کر بٹوہ میں نے اپنے ازار بند سے باندھ کر اندر اڑس لیا اور چھری کوڈ پر رکھ دی شہ نشین والے راستے سے پچھلی سیڑھیوں پر گئی بڑی احتیاط سے کنڈی کھولی اور باہر۔

''

''کتنی رقم تھی بٹوے میں؟۔''

''ایک فیروزے کی انگوٹھی اور بائیس ہزار روپے تھے۔''

''پھر پہنچیں تم شملہ پہاڑی۔''

شاہی محلے سے داتا دربار تک پیدل گئی......وہ بارش وہ بارش ایسی سردی کہ

ہڈیاں تک جم گئیں لیکن میرا دل گرم تھا اس رات میں اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرنے والی تھی ..... بالآخر ایک رکشا مل گیا سالم پھر کبھی میں اپنا دوپٹہ نچوڑتی کبھی چادر کبھی بال جھٹکتی ..... مجھے رکشا ڈرائیور سے بھی خوف آرہا تھا لیکن پتہ نہیں کیا بات تھی کہ دل میں خوشی ہی خوشی تھی جب میں شملہ پہاڑی کے سامنے پہنچی تو پتہ نہیں کیوں سر جی میرا جی چاہنے لگا کہ واپس جا کر نواب صاحب کو بٹوہ لوٹا دوں ..... اس سے پہلے کبھی میرا ضمیر نہ جاگا تھا ..... لیکن ابھی میں نے رکشا والے کو موڑنے کے لیے کہا ہی تھا کہ وہ مجھے لیمپ پوسٹ کے سامنے بھیگتا ہوا نظر آ گیا۔"

"آ گیا وہ ..... بڑی خوش نصیب ہو تم!"

"اس وقت میں بھی یہی سمجھتی تھی ہم دونوں مل کر ایک ہوٹل میں چلے گئے وہ سارے کا سارا بھیگا ہوا تھا اور بار بار چھینک رہا تھا ہم دونوں ہیٹر کے سامنے بھیگے پرندوں کی طرح بیٹھ گئے وہ پہلی دفعہ بولا ..... کہنے لگا "دیکھو نہ میں تم سے شادی کر سکتا ہوں نہ محبت / میں کسی اور کا ہوں تم اپنے آپ کو سمجھا لو۔"

میں رونے لگی بڑی دیر تک روتی رہی پھر میں نے گیلے کپڑے اتار دیئے اور بستر پر لیٹ گئی مجھے سردی لگ رہی تھی کپکپی سے میرا سارا بدن ہچکولے کھا رہا تھا

"مجھے سردی لگ رہی ہے"

"میں چائے منگواتا ہوں۔"

جب چائے آ گئی تو اس نے پیالی بنا کر مجھے دی لیکن بستر کے پاس نہیں آیا میں کئی گھنٹے روتی رہی وہ ہیٹر کے سامنے بیٹھ کر اپنے بدن کے کپڑے سکھاتا رہا آخر جب رونے سے بھی جی کا بوجھ نہ اترا تو میں نے اسے پکارا

"کیا نام تھا؟"

"آپ کو نام سے کیا لینا ہے سر جی ایسے لوگ بے نام ہوتے ہیں میں نے اسے پکارا تو وہ پاس آ کر قالین پر بیٹھ گیا اس کے کندھے پر میری چادر تھی اور وہ بارش میں

نہا کر اور بھی شفاف ہو گیا تھا میں نے بائیس ہزار روپیہ سرہانے سے اٹھا کر اس کی جھولی میں پھینکا پہلے وہ بھونچکا رہ گیا پھر روپے کو دیکھتا رہا۔"

"تمہارے لیے ہیں..... یہ سب"

"افسوس میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا امتل۔" بڑی دیر کے بعد وہ بولا "میں اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا ہوں اس نے بیوگی کے سارے دکھ جھیل کر مجھے پالا ہے۔ اگر میں نے تم سے شادی کر لی تو وہ مر جائے گی..... میں کبھی کسی عورت کا نہیں ہو سکتا، امتل میں صرف اپنی ماں کا ہوں..... میں اس کے دکھوں میں حل ہو چکا ہوں سارے کا سارا۔ پھر اٹھ کر اس نے روپے مجھے لوٹا دیے۔ امتل وہ کہنے لگا میرے دکھوں سے مجھے یہ روپیہ نجات دلا سکتا ہے لیکن میں تمہاری عمر بھر کی کمائی لینا نہیں چاہتا۔ اس نے روپیہ میرے سرہانے رکھ دیا میں اصرار کرتی رہی اور پھر سو گئی۔ اٹھی تو مجھے تیز بخار چڑھا ہوا تھا کھڑکی سے تیکھی روشنی آ رہی تھی میں نے سرہانے تلے ہاتھ مارا وہاں روپیہ پیسہ کچھ نہ تھا ایک پرزے پر دو شعر لکھے تھے جن میں روپے کا شکریہ ادا کیا تھا..... اس کے بعد سر جی ایک اور لمبی کہانی ہے وہ تو بیچارہ سندھی نواب شریف آدمی تھا ورنہ ہمیں تو تھانے کی شکل دیکھنا پڑتی۔"

"پھر تمہیں نہیں ملا وہ شاعر؟"

"پہلے تو میں کئی مہینے ریڈیو سٹیشن نہ گئی جانے لگی تو پتہ چلا کہ وہ کراچی چلا گیا ہے....." امتل نے لمبی سانس بھری اور چپ ہو گئی۔

اس نے اپنے اندر کنڈی لگا لی تھی..... بہار کی فضا خاموشی اور خوشبو کی وجہ سے بوجھل ہو گئی..... ہم دونوں کی سوچ الگ الگ سمت میں رواں تھی۔

بڑی دیر بعد وہ بولی..... سو گئے بادشاہو۔

وہ موڈ بدلنے کی کوشش میں تھی۔

"سوئے تھے پر کسی خصماں نوں کھانے نے جگا دیا۔"

وہ جھوٹی ہنسی ہنس کر بولی ..... ''بات نہیں بنی سر جی ..... اگر مجھے پان کھانا اور بات کرنا آتا تو میں آپ کا دل بہلاتی۔''

''آج تو خوب باتیں کر رہی ہو۔''

''کچھ نہیں سر جی نہ بات کرنی آئی نہ پان کھانا آیا۔ دونوں باچھوں سے پان کی دھاری ہنستے لگتی ہے بیگمات کو پان کھاتے دیکھا ہے پان کلے میں اور رنگ ہونٹوں پر ..... عورت اچھا پان کھانے والی ہو اچھی بات کرتی ہو تو مرد ضرور متاثر ہوتا ہے۔''

''مجھے تو تم ویسے بھی متاثر کرتی ہو۔''

''چھوڑیے سر جی اب وہ ٹیم نہیں رہا۔ ویسے آپ بھی بہت دور نکل چکے ہیں آپ کو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''پڑتا ہے امتل بہت پڑتا ہے۔''

پہلی بار دونوں ایک دوسرے کے ماضی سے متعارف ہو رہے تھے وہ مجھے اندوالی امتل سے ملا رہی تھی اور یہ امتل میرے لیے بالکل نئی تھی واقفیت بڑھنے کے باوجود حجاب بڑھ رہا تھا ہم دونوں قریب آنے کے بجائے اجنبی بنتے جا رہے تھے۔

''آپ سر جی؟ ..... آپ نے بھی کبھی زخم کھایا ہے؟''

بڑی دیر تک میں اسے سیمی کے متعلق سب کچھ بتا رہا تھا اپنے دکھ اس کی حرمان نصیبی ہم دونوں کمان اور تیر کی طرح کیسے ساتھ ساتھ رہے اور کیسے دور دور نکل گئے وہ چپ چاپ سنتی رہی گردن گرائے نظریں جھکائے ایک بار بھی اس نے کوئی سوال نہ کیا کوئی تفتیش نہ کی۔

شام پڑنے لگی اور ہوا میں خنکی آ گئی۔ باغ کی چہل پہل میں اضافہ ہو گیا۔ پھر شام کے جاگتے اندھیرے میں بتیاں روشن ہو گئیں اور ہم دونوں بیٹھے رہے آمنے سامنے الگ الگ وقتوں میں مقید علیحدہ گردشوں پر گھومتے ہوئے۔

''آپ کو ایک مشورہ دوں سر جی؟ قسم لے لیں کئی برسوں سے میں نے کسی کو

مشورہ نہیں دیا۔"

"ضرور دو۔"

"آپ شادی کرالیں سر جی..... آپ جیسے لوگ صرف شادی کے قابل ہوتے ہیں حرام سے کوئی واسطہ نہ رکھیں میں بتاؤں حرام سے کچھ ہو جاتا ہے یہاں۔" اس نے سر کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا مطلب؟۔"

"آپ جیسے لوگ کچھ کرنے کرانے جوگے نہیں ہوتے نہ کوئی دھماکہ نہ قتل نہ خودکشی۔ آپ جیسیوں کے لیے شادی بڑی اچھی رہتی ہے۔"

"مجھ جیسوں سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"آپ جیسے آدمی..... بند آدمی!"

"بند آدمی سے تمہاری کیا مراد ہے امتل۔؟"

امتل نے ماتھے پر تیوری ڈالی کچھ دیر سوچتی رہی پھر بولی..... ایک نیک آدمی ہوتا ہے سر جی اور ایک بند آدمی..... دونوں ایک سے اگلتے ہیں کچھ فاصلے سے..... پر بڑا فرق ہوتا ہے دونوں میں نیک آدمی کی سرشت نیک ہوتی ہے قدرتی طور پر..... ہو چاہے نیل لوگوں میں رہے چاہے بد لوگوں کی صحبت میں اس کی سرشت کوئی اور رنگ قبول نہیں کرتی بھوک سے مر جائے لیکن عقاب مردار نہیں کھاتا سر جی..... حرام کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

"میں تمہاری بات اچھی طرح سے سمجھا نہیں امتل....." میں نے کہا۔

"نیک آدمی کے اندر جھگڑا نہیں ہوتا..... لیکن بند آدمی کے اندر بڑے جھگڑے ہوتے ہیں سر جی..... اس کے اندر بد کی کشش ہوتی ہے لیکن وہ اپنے آپ کو بد کی اجازت نہیں دیتا اس کے اندر نیکی موجود نہیں ہوتی لیکن وہ نیکی کیے جاتا کئی بار سوسائیٹی کے ڈر سے کبھی کسی چاہنے والے کے خوف سے..... وہ دراصل خود پیانہ

نہیں ہوتا دوسرے لوگوں کی رائے اس کا پیمانہ ہوتا ہے۔ بے چارہ...... کبھی آنکھوں پر پٹی باندھتا ہے کبھی سرپٹ بھاگتا ہے...... کبھی کانوں پر انگلیاں کبھی منہ پر تالا ...... توبہ توبہ سر جی بڑے عذاب میں زندگی گزرتی ہے اس کی...... میرا مطلب ہے سر جی نیک آدمی بدی دل سے کرنا نہیں چاہتا اس کی بس طبیعت ہی راغب نہیں ہوتی بند آدمی سب کچھ کرنا چاہتا ہے پر خوف سے مفلوج رہتا ہے وہ بھی ایسا ہی تھا وہ شاعر بھی......'' آج ایک بالکل نئی اپروچ سے متعارف ہونے کا اتفاق تھا۔

''میں بھی اس کی طرح ہوں...... بائیس ہزار لے جانے والے کی طرح......؟'' میں نے سوال کیا۔

''بالکل سر جی بالکل آپ بھی بند ہیں سیل بند مہر بند ہوا بند آپ کے اندر بھی کوئی روشن دان نہیں آپ کے چوبچے سے بھی کوئی موری نہیں نکلتی سر جی...... وہ بھی بند کمرہ تھا...... آپ کو بھی گولک کی طرح بند ہیں۔ ہاں کبھی کبھی کوئی شخص آپ کے اندر گھس کر چور کو ہتھکڑی پہنا دیتا ہے ایسے میں اپنے آپ کو سزا دینے سے آپ بچ جاتے ہیں ورنہ تو...... ورنہ تو......''

میں نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا آج میں نے اسے یسی کے متعلق سب کچھ بتایا تھا اور پہلی بار مجھے لگ رہا تھا کہ وہ اور میں ایک دوسرے کو بالکل نہیں جانتے اور اب جاننے کا وقت نکل گیا ہے تیل اور پانی بہم رہنے کے باوجود ایک دوسرے میں حل ہونے سے قاصر رہے انسان کا بھی خواب المیہ ہے کبھی کبھی کسی شخص سے پورا رابطہ بڑھا لینے کے بعد یکدم اسے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ تو حل ہونے کے بجائے سطح پر بیٹھا رہا اور ذرا دی چھیڑ چھاڑ سے اوپر آ کر کارک کی شکل میں تیرنے لگا ہر انسان کو کسی اور میں حل ہو جانے کی شدید آرزو ہوتی ہے اسی لیے وہ ساری عمر ہم جنسوں ہم زبانوں ہم وطنوں ہم مشربوں میں گھومتا ہے جھانکتا ہے اور رابطے جب بہت بڑھ

جاتا ہے تو ہر رشتے سے ایسی صدائیں آتی ہیں جیسے اندھے کنویں کی سطح سے جا کر خالی ڈول ٹکرائے اور شرمندہ ٹامک ٹوئیاں مارتا ہلکا پھلکا باہر کی طرف نکلنے لگے۔

''یہاں ہم سب کس لیے آتے ہیں سر جی..... صرف مرنے کے لیے ناں؟۔ زندہ رہنے کے لیے بھی امتل زندہ رہنے کے لیے بھی شاید۔''

امتل نے ماتھے پر ان گنت سلوٹیں ڈالیں..... ناں سر جی آنا صرف مرنے کے لیے ہے..... زندہ رہنا تو ٹائم پاس کرنے کے لیے ہوتا ہے اور ٹائم پاس کرنے کے لیے شادی سے بہتر کوئی مشغلہ نہیں..... جلدی سے عمر کٹ جاتی ہے اور پھر حلال رستہ ہے یہ۔

''شاید اصلی مقصد اپنے آپ کو تلاش کرنا ہو امتل۔''

''اپنے آپ کو تلاش کرنا بہت مشکل ہے سر جی..... آپ جوان ہیں صحت مند ہیں ..... بڑی عزت ہے آپ کی ریڈیو سٹیشن پر آپ سیدھی سیدھی شادی کرالیں ابھی آپ کا بیلنس ٹھیک نہیں..... دو پٹڑیوں پر گاڑی چلے تو بیلنس ٹھیک ہو جائے گا۔''

''تم..... تم مجھ سے شادی کرالو امتل..... ہم دونوں۔''

یکدم اس کی آنکھوں سے آنسو بے تحاشا گرنے لگے اور اس کا چہرہ بوڑھی عورت کا ہو گیا وہ بیالیس سے بھی زیادہ کی لگنے لگی۔

''ہم دونوں سر جی؟..... ہم دونوں؟..... میرے جسم کا تو..... ہر قطرہ حرام پر پلا ہے سر جی میں اس لہو سے اب کوئی حلال زادہ پیدا نہیں کر سکتی..... میں..... میں نے کوشش کی تھی ایک بار شادہ کی سر جی..... پر..... چھوڑ دیں اس بات کو میں شادی کے قابل نہیں ہوں۔''

وہ آنسو پونچھنے لگی۔

''تمہیں کبھی اپنا بیٹا یاد نہیں آتا۔''

''اپنا جو ہوا سر جی..... یاد کیسے نہ آئے؟ پر..... کیا کروں اسے یاد کر کے

.....آپ سر جی غلط عورتوں کے پیچھے وقت ضائع نہ کریں آپ کو چاہیئے ایک باکرہ لڑکی طیب دوشیزہ..... جو آپ کو سیدھا راستہ دکھا سکے.....''

''باکرہ کیوں امتل۔''

''آپ کو عورت کے دل کی تلاش ہے باکرہ جو ہوتی ہے سر جی اس کے پتن سے ابھی کسی نے پانی نہیں پیا ہوتا..... وہ جسم اور دل ایک ہی جوئے میں ہارتی ہے آپ کے بڑے احسان ہیں مجھ پر خدا قسم میں اگر پہلے جیسی ہوتی تو فوراً آپ سے شادی کرالیتی۔''

اس وقت وہ کسی مصری راہبہ کی طرح بڑی پر شکوت لگ رہی تھی۔

''یہ جسم اور دل بڑے بیری ہیں ایک دوسرے کے سر جی۔ جسم روندا جائے تو دل کو بسنے نہیں دیتا..... ان دونوں کو کبھی آزادی نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ جانے کیوں میرے مولا نے ان کو ایک ہی ہتھکڑی پہنا دی اور پتہ نہیں آپ سے میں کبھی کبھی کیسی باتیں کرنے لگتی ہیوں.....؟ میں تو نہیں بولتی سر جی میرا تجربہ بولتا ہے مجھ کو تو باتیں کرنے کا ڈھنگ ہی نہیں۔''

باغ میں شام آ گئی..... بہار کی خوشبوؤں سے بوجھل شام۔

ہم دونوں کرگس جاتی کے شودر تھے۔ کوئی بات ہمیں اندر ہی اندر آگاہ کر رہی تھی کہ وہ رابطہ جو اتنی دیر ہمارا بھار اٹھائے رہا اب ٹوٹنے والا ہے لیکن اس شام ہم دونوں نے ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچان لیا اسی لیے ہمیں بچھڑنے میں مشکل پیش نہ آئی۔ یہ ایک بات ہے کہ اس شام کے بعد ہم پھر نہیں ملے لیکن اگر ہم ملتے بھی رہتے ریڈیو سٹیشن میں سڑکوں پر بازاروں میں تو اس شام کے بعد ہر ملاقات اجنبیوں کی ملاقات ہوتی ہم ایسے ہی ملتے جیسے چیونٹیاں اپنے اپنے رزق کا دانہ منہ میں لیے راستے میں ایک دوسرے سے دعا سلام کرتی ہیں اور پھر اپنی اپنی راہ چلی جاتی ہیں نہ کوئی ماضی کی یاد..... نہ کسی فرد کا وعدہ۔

جب ہم دونوں باغ سے نکلے تو امتل نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا..... ''بس سر جی اب آپ جائیں۔''

''میں تمہیں گھر چھوڑ کر جاؤں گا۔''

''نہیں سر جی میں چلی جاؤں گی خود ہی۔''

''تمہیں

کہیں اور جانا ہے''

''ہاں جی۔''

''کہاں؟''

''بس پاس ہی سر جی بابا شاہ جمال کے۔''

''میں بھی چلتا ہوں..... تمہارے ساتھ''

وہ منہ پرے کر کے بولی..... ''ناں سر جی میں ضعیف الاعتقاد عورت ہوں آپ اب گھر جائیں بڑی دیر ہوئی ہے پہلے ہی..... میں نے آپ کا بڑا وقت ضائع کر دیا ہے۔''

''وہاں کیا دعا مانگو گی امتل سچ سچ بتانا؟''

وہ ہونٹ چبا کر بولی..... ''شاید وہی دعا مانگو شاید ہی دعا..... جو بابا ترت مراد کے مانگی تھی۔''

میں اس کی دعا بھول چکا تھا

''کون سی دعا؟۔''

''یہی سر جی..... زندگی تو کسی پیار کرنے والے کے سہارے گزری نہیں۔ اب موت تو کسی پیار کے ہاتھوں آئے..... موت تو حلال ہو میری۔''

وہ بغیر سلام دعا کے مڑ گئی اور جلدی جلدی سڑک کراس کرنے لگی میں نے اس کے پیچھے جانا چاہا لیکن پہلی بار مجھے اس سے خوف سا آ گیا۔

دوسری صبح میں سیر تک سویا رہا۔ خواب میں رات کو کئی مرتبہ میں نے زبح کیے ہوئے مرغے، اونٹ اور بکرے دیکھے۔ رسی سے بندھے ہوئے جانور آسمان کی طرف منہ کر کے روتے نظر آئے..... کئی بار میں اٹھا السر میں شدید جلن اور تکلیف تھی پچھلے دن کا سارا فاقہ تھا منہ میں تیزابی کیفیت تھی رات کو اٹھ کر میں نے ٹھنڈا پانی پینا چاہا تو مجھے یوں لگا جیسے نلکے سے فراٹے بھرتا تازہ لہو بہہ رہا ہے سناٹے اور اندھیرے کے باوجود سارے ساندہ کلاں سے کتوں کے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔

اعصابی سکون کی گولیاں کھا کر بہت دیر میں سویا تو صبح خلاف معمول صولت بھابھی مجھے جگانے آگئیں پہلے انہوں نے ٹیبل پر چائے کا ٹرے رکھا پھر کرسی سے ٹکرائیں اور اندر غسلخانے میں جا کر انہوں نے نلکہ چھوڑ دیا۔ پھر اندر کھلنے والی سیڑھیوں پر کھڑی ہو کر مسعود اور فرید کو ڈانٹتی رہیں جبمیں جاگ گیا تو وہ بغل میں اخبار دبائے چائے کے پاس کھڑی تھیں۔

''بڑی خراب ہے آج اخبار میں۔''

میں سمجھا ہندوستان اور پاکستان میں جنگ چھڑ گئی۔

''کیا.....'' میں نے حواس مجتمع کر کے سوال کیا۔

''کسی اختل عزیز طوائف کو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا کل رات۔''

میں ہڑبڑا کر اٹھا۔

''کون..... کیا..... کس کا قتل.....''

''ایک حرام کھانے والی کا..... اور کس کا۔''

بھابھی نے کچھ جواب نہ دیا اخبار میرے بستر پر پھینکا اور سیڑھیوں کی طرف چلی گئیں۔

اخبار میں اختل کی پرانی تصویر چھپی تھی جس میں اس نے دو چوٹیاں کر رکھی تھیں

اس کے ساتھ اس کیپٹے کی تصویر تھی لڑکے کی شکل ماں سے مشابہہ تھی وہی نتھنے وہی ہونٹ وہی آنکھیں چوکھٹے کے اوپر جلی حروف میں رقم تھا..... مخبوط الحواس بیٹے نے غیرت میں آکر ماں کو قتل کر دیا۔

مجھ میں ساری خبر پڑھنے کی ہمت نہ تھی میں نے اخبار تہہ کیا اور اسے عابدہ کے سلیپر کے پاس جہاں سیمی کا خوشبو دار رومال بھی پڑا تھا رکھ دیا پھر میں نیچے گیا مجھے معلوم تھا کہ بھابھی بن کہے بغیر کسی سے پوچھے سارا معاملہ جانتی ہیں وہ باورچی خانے کے سامنے کھڑی اپنے دانتوں کو برش کر رہی تھیں۔

''بھابھی!۔''

''جی۔''

''آپ میری شادی کا انتظام کر دیں۔''

بھابھی نے میری طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں

''لیکن ایک شرط ہے''

''وہ کیا''

''لڑکی باکرہ ہونی چاہیئے''

''اچھا۔''

رات کے پچھلے پہر

موت کی آگاہی

جنگل سے ایسی آوازیں آرہی تھی جیسے تنگ سرنگ میں بڑی تیز رفتار سے ہوا داخل ہو رہی ہو۔

ٹولی ٹولی گروہ گروہ حلقہ بہ حلقہ موج در موج بھانت کے پرندے سوکھے تال کے اردگرد بڑے بڑے چھتنارے درختوں پر جمع تھے بڑے پنکھوں والے پرندے تال

کے پاس شامیانوں کی طرح تنے بیٹھے تھے اونچے اونچے تیلوں پر جھاڑیوں میں ڈالیوں میں گھپے دار بیلوں سے وفدائے بیٹھے تھے الاسکا سے بھی چند پرندے سیاہ برقعے اوڑھے ہانپ رہے تھے رایو گرینڈ اور برازیل سے لمبی چونچ اور جھبرے پروں والے پروندے فیصلے کے انتظار میں تھے۔

سانپ بھی آج جرائت کر کے پاتھی دوبا گھاس میں چھپے بیٹھے تھے لیکن ان کی سائیں سائیں سے گھاس سرسرانے لگا تھا پروندوں میں بات کا چرچہ تھا کہ دوسرے سب جگ کے آگاز سے پہلے ایک بار ایسا ہی اجلاس ہوا تھا لیکن اس کے بعد پرندوں کی برادری کبھی انبوہ در انبوہ اس طرح اکھٹی نہ ہوئی اس مرتبہ جب تبت کی سطح مرتفع پر پرندوں کا کٹھ ہوا تھا تو پرندے انسان سے کلی طور پر مایوس ہو کر کسی اور سیارے میں ہجرت کرنے کے لیے اکھٹے ہوئے تھے۔تب متمدن دنیا پہلی بار تباہ ہوئی تھی انسان نے اپنی مکمل دیوانگی کا ثبوت دے کر اپنی ہی نسل کو دنیا سے مٹانے کی کوشش کی تھی..... نیویارک، ماسکو، پیرس، فرینک فرٹ لندن جیسے ہزاروں اور ان گنت شہر چشم زدن میں راکھ کا ڈھیر بن گئے تھے ساری دنیا پر غبار کا ایک گھومتا غلاف چڑھا تھا آتش فشاں پہاڑ اور انسانی تخلیق کا لاوا ہاتھ میں ہاتھ دئے ہر طرف بہتا تھا دور دور تک کسی براعظم پر سبزے کا نشان نہ تھا ملکوں ملکوں محشر بپا تھا تب سارے پرندے تبت کے مرتفع پر جمع ہوئے تھے اور یوں ہانپ رہے تھے جیسے دب دمے کے مریض ہوں۔

انسان تمدن کی آخری سیڑھی پر پہنچ کر قلابازی کھا گیا تھا اس نے اپنے ہی لوگوں کے لیے ایسے بم ایجاد کیے تھے جن سے نہ صرف انسان ہلاک ہوتا ہے بلکہ عورت کا رحم بچہ بنانے اور مرد کا عضو تناسل بیج بونے سے قاصر رہ جاتا ہے اس نے شہروں پر ایسے بم بو پھینکے کہ میٹھے پانیوں کے ایٹم پھٹ کر زہر میں تبدیل ہو گئے۔پھر جس نے اس پانی سے چکھا وہ اولین گھونٹ کے ساتھ بان جق ہوا نسل انسانی کے اکا دکا باقی

کی تلاش میں ننگے بوچے سرگرداں ہوئے ان کی تلاش ایسی تھکا دینے والی تھی کہ قافلے کے لوگ ہر پڑاؤ پر گھٹتے گئے اور پڑاو کم ہوتے گئے۔...... یہ دوسرے ست جگ کے آغاز کا ذکر ہے تب پرندوں نے تبت کی اونچائی پر بیٹھ کر سوچا تھا کہ آؤ یہاں سے پرواز کریں اور کسی ایسے سیارے میں چل کر گھر بنائیں جہاں انسان کی دیوانگی سے پناہ ملے...... وہ کئی روز تک مشیت ایزدی کے انتظار میں رہے اور ہجرت نہ کر سکے...... حتیٰ کہ ان کا صبر دیکھ کر اللہ کی رضا سے تمام براعظموں پر پھر سے ہاتھی دوباؤ گھاس اگ آئی۔ جنگل ہرے بھرے ہو گئے اور تال میٹھے پانیوں سے بھرنے لگے۔

اس وقت دوسری بار اس قدر تعداد میں پرندے جمع تھے اور چہ تھے مسئلہ پھر وہی درپیش تھا جنگل سے ایسی ہوک اٹھ رہی تھی جیسے زرد کھیتوں سے پھیکے چاند کی طرف ٹیٹری کی آواز لپک رہی ہو پھر سیمرغ نے تین بار اپنے تن کی بتی بجھائی اور گویا ہوا...... سرخاب تو غیر جانب دار ہے کھیتوں کھلیانوں کا نگہبان رزق کی خوشخبری دینے والا تجھے خدا کی قسم مختصر الفاظ میں بیان کر کہ اصل وجہ نزاع کیا ہے تا کہ جو نئے مہمان آئے ہیں اصل حالات سے واقف ہوں۔

سرخاب نے سارا ماجرا مختصر الفاظ میں بیان کیا تو نائجیریا کی چیل ملکہ اٹھ کر بولی...... ''آقا جو کچھ سرخاب نے کہا ہے درست ہے لیکن ہماری التجا ہے کہ اس بار انسان کا حوالہ درمیان میں نہ آئے وہ سیاں ہو یا نقال وہ آئینہ ہو کہ کاربن پیپر۔ اس میں گھٹنے بڑھنے کی صلاحیت چاند سے بھی بڑھ کر ہو ہم کو اس کی تہہ در تہہ سرشت سے کوئی سروکار نہیں ہم کو انسان سے کوئی غرض نہیں ہم جانوروں سے کیڑے مکوڑوں سے اس بحث کا پاک رکھنا چاہتے ہیں ہمیں جل باسیوں کا حوالہ نہ دیا جائے ہم ہواؤں کے مسافر ہیں اور ہمارا اپنے رب سے معاہدہ ہے کہ ہم صرف رزق حلال کھائیں گے اور سرشت کی حد کو پار کر گئی ہے اور حرام رزق کھانے لگی ہے اس کا سارا دیوانہ پن اسی

سے نکلا ہے پیشتر اس کے کہ یہ بھی ہوا باسیوں کو جنگل سے نیست و نابود کر دے اسے جنگل بدر کر دینا چاہیئے۔"

گیدڑ نے نہایت ادب سے تین بار ماتھے کو دم سے چھوا اور بولا..... "شاید پچھلی بار ہم اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ باوجودیکہ رزق حرام ہی سے راجہ گدھ میں دیوانگی کے آثار پیدا ہوئے ہیں لیکن مسئلہ دراصل سرشت کا ہے..... اگر راجہ گدھ کی سرشت میں حرام کھانا لکھا ہے تو پھر اس کے لیے حرام گناہ نہیں عین ثواب ہے..... لیکن اگر اس نے اپنی عقل سے رزق حرام کھانا سیکھا ہے تو پھر یہ ضروری اس کے لہو پر اثر انداز ہوگا اور دیوانگی پیدا کرے گا..... طے یہ کرنا ہے کہ کیا رزق حرام گدھ کی سرشت کا حصہ ہے کہ اس کی اپنی تجویز کا ردعمل۔"

اب چیلوں کی ملکہ برافروختہ ہو کر اٹھیا اور بولی..... دیکھ دوست گیدڑ ہم اللہ کی عطا کردہ سرشت سے جنگ نہیں کر رہے۔ اس جنگل میں جہاں ڈسنے والا سانت رہتا ہے وہیں مٹی رنگا منینڈک بھی پھدکتا پھرتا ہے چنگھاڑنے والی شیرنی اور اس کے روغ سے بھاگنے والی نیلی گائے

بھی یہیں رہتی ہے ہم جنگل والوں کا سابدی سے کوئی بیر نہیں جو ب ہماری سر شت کا حصہ ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں ہماری شرست میں بدی کا عنصر ابلیس کی تخلیق نہیں روز ازل سے بنانے والے نے کسی مصلحت کے پیش نظر ہم میں کچھ ایسے وصف رکھے ہیں جو ہمیں تحفظ سے تو آشنا کرتے ہیں لیکن ظلم پر آمادہ نہیں کر سکتے جنگل میں کوئی سانت سے نہیں لڑتا پھنکارنا ڈھنا اس کی سرشت ہے چیتے سے کسی کا بیر نہیں کیونکہ بنانے والے نے اسے اسی ڈھب سے بنایا ہے لیکن گدھ نے اپنی سرشت خود بدلی ہے پہلے یہ بھی شکار کرنے کو اپنی زندگی کا طرہ امتیاز سمجھتا تھا پھر اس نے اپنی عقل سے اپنی تجویز سے اپنی سرشت میں ترمیم کی اور حرام کھانے کا مرتکب ہوا بول اعتراف کر ہم جنوں انسانوں، فرشتوں، جانوروں پرندوں کی سرشت کے

خلاف نہیں اس رزق حرام کے خلاف ہیں جو اپنی عقل سے کھایا جاتا ہے جس کی مناہی موجود ہوتی ہے اور جو زہر بن کر لہو میں پھرتا ہے اور دیوانگی باعث ہوتا ہے۔

ایک سانپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا...... ''دیکھو یہ ہمارا ذکر ہے یہ موقعہ ہے صفائی کا کچھ کہہ گزرو۔''

سانپوں کے راجہ نے آہستہ سے جواب دے۔...... ''چپ رہو پہلے ہی ہم پر بہت بڑا الزام ہے کہ ہم نے اماں حوا کے ورغلایا ان کو سوشت سے زیادہ بدی پر آمادہ کیا۔ حالانکہ ان کے نفس نے انہیں دھوکا دیا ان کی سرشت میں تو پہلے سے سوچ کی دو شکلیں موجود تھیں اگر انب کی سرشت میں شروع سے دوسراستے نہ ہوتے تو وہ میری بات کیونکہ مانتیں؟...... چپ رہو اور یہاں آنے کا راز مت کھولو۔''

سرخ برادری کو مخاطب کیا اور کڑک کر بولا...... کیا یہ شان عبودیت کے خلاف نہیں کہ کوئی ذی روح اپنی عقل و تجویز سے اپنی سرشت میں نئے رنگ کا اضافہ کرے کائنات کی ہر چیز سے گواہی لے بیٹھے کے حکم سے پہار ہوئے اور کبھی سفر کے مرتکب نے ہوئے جانوروں کی ان کی جبلت کی پاسبانی رہنے کا حکم تھا سو وہ رہے۔ ...... تو نے انسان کی نقالی کیوں کی؟ کیا یہ تیری کم عقلی نہ تھی کہ تو نے اپنی عقل سے رزق حرام کھایا؟۔

''تھی...... تھی......'' گدھ نے زمین پر سر رکھ کر کہا۔

تیہو کی ٹولی بھاگنے والی تھی لیکن پاس ہی بیٹھے ہوئے مہرلاٹ نے ہمت دلائی اور کہا...... ''ہم کم عقل ہیں آقا ہم کو تو سمجھ نہیں آئی کہ رزق حرام سے دیوانہ پن کیونکر پید ہے ہم سرشت کی بات تک کیونکر پہنچیں۔''

عقاب کی ٹولی سے ایک پا پائے روم اٹھا...... ''سن مہرلاٹ! رزق دوطو کا ہوتا ہے ایک رزق وہ ہے جو جسم کا ایندھن ہے اور دوسرا رزق وہ ہے جو روح کی توانائی کا باعث بنتا ہے جیسے پانی خوراک حدت ہوا...... جسم کو پالنے کا وسیلہ ہیں اسی طرح

عبادت وشق قربانی روح کی استقامت کی غذا ہیں۔ بتا گدھ جاتی کے راجہ کہ تو نے جسم کا رزق حرام کھایا کہ روح کا..... بتا وہ رزق کون سا تھا جس سے تیرے جرثومہ ٹوٹ کر پاگل پن کا شکار ہوئے؟"

اب چیل ملکہ اٹھی اور چلا کر بولی..... "ان بیکار باتوں میں الجھنا تضیع اوات ہے فاضل جج جانتا ہے کہ جسم کا رزق بالآخر روح کو لگتا ہے اور روح کا رزق آخر کار جسم کا حصہ ہو کر رہتا ہے رزق حرام چاہے بدنی ہو یا روحی دیوانہ پن کا باعث ہوتا ہے۔"

گیدڑ یہ بات سن کر بہت متاثر ہوا اور تالی بجا کر بولا..... "خوب چیل ملکہ یہ بات طے ہے کہ رزق چاہے بیرونی ہو یا اندرونی اگر حرام ہے تو ٹوٹ پھوٹ کا باعث بنتا ہے لیکن بات وہیں ہے کہ کیا گدھ اپنی شرکت کے خلاف رزق حرام کھاتا ہے۔"

مہر لاٹ نے پھر سوال کیا..... "یہ کیا بحث ہے رزق حرام کا دیوانگی سے کیا تعلق؟"

شاہیں بچے اٹھے اور خفگی سے بولے..... "کیا تو اتنا بھی نہیں جانتا کہ پاک رزق سے لہو میں ایسی مثبت لہریں ہوتی ہیں جن سے روح میں کوئی مغائرت پیدا نہیں ہوتی۔ جس وقت حلال رزق پیٹ میں پہنچتا ہے تو انسان رب کی ثنا اور اس کے احکامات کا خود بخود پابند ہو جاتا ہے لیکن جب رزق حرام جسم کے اندر داخل ہوتا ہے تو منفی لہروں ک اجال لہو میں پھیل جایا ہے اور ہر جرثومہ کی زندگی منفی طور پر متاثر ہوتی ہے اور وہ وقت سے پہلے ٹوٹنے لگتا ہے..... اس گدھ سے پوچھتا جائے کہ یہ اس حقیقت سے واقف نہ تھا؟"

"تھا..... تھا..... تھا....." راجہ گدھ چلایا۔

چیل برادری سے آواز آئی..... "لمبے بکھیڑوں میں پڑنے سے حاصل؟ ہم جانتے ہیں کہ گدھ پہلے طبیب رزق کھاتا تھا پھر یہ اپنی عقل سے حرام کی طرف

راغب ہوا....."

تیہو کی ٹولی سے ایک پرندہ بولا....."آقا! ہم بحث کو الجھانا نہیں چاہتے صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ انسان نے اپنی سرشت کیونکر بسلی اور وہ رزق حرام کی طرف کیسے مڑ گیا؟۔"

اب ایک مریل سے بطخ بولی....."ہم کو پتہ چلا ہے کہ انسان کی سرشت ٹھہرے ہوئے پانیوں کی مانند ہے جس میں ہر قسم کا عکس پڑتا ہے درختوں میں رہے تو درختوں جیسا پہاڑوں میں رہے تو پہاڑوں جیسا اٹل مضبوط، جانوروں میں بسیرا کرے تو ان ہی کی مانند حیوان.....اچھوں کی صحبت ملے تو فرشتہ رزیلوں کا رنگ چڑھے تو شیطان!"

نیلی چونچ والا ست رنگا پرندہ اچانک بولا....."تو انسان سیال ہوا کبھی شیر سا بہادر کبھی اونٹ سا کینہ ور.....کبھی فاختہ کی طرح معصوم کبھی پتے کی طرح چکنا اور کبھی پھول جیسا گلرنگ.....لے یہ تو کوئی بات ہی نہ ہوئی.....لے دے کے انسا تو اردگرد کا پابند ہو گیا۔"

"انسان تلاش ہے.....وحدت کی کثرت میں تلاش۔" ایک طرف سے آواز آئی "نہیں صاحبو انسان تضاد ہے آگ پانی کے میل سے بنا ہے۔"

"آقا! انسان نہ رزق حرام کی وجہ سے دیوانہ ہوا ہے نہ اس طاقت کی وجہ سے جس کا ذکر نجد کی مینا نے کیا تھا بلکہ تضاد کے ہاتھوں دیوانہ ہوا ہے.....دن کے ساتھ رات ہے.....زندگی کے ساتھ موت.....شمال کے مخالف جنوب.....لیکن بیچارے انسان کے اندر ہر وقت نیکی بدی کی جنگ ہوتی رہتی ہے.....اگر اس کے اندر جنگ ساکت ہو گئی تو خدا ہار جائے گا۔"

یہ کفر کے کلمات سن کر سارے پرندے سناٹے میں آئے اور آواز کا تعاقب کرنے لگے۔

''بزدلوں کی طرح بات نہ کر سامنے آ۔''

فاسفورس کی بتی سے آواز آئی۔

ایک چھوٹا سا کھٹ بڑھی باہر نکلا اور زمین چوم کر بولا..... ''پہلے آقا انسان کی سرشت میں بدی نہ تھی۔ وہ بھی فرشتوں کی طرح نیک اور آئینے کی طرح پاک تھا لیکن ایک روز ابلیس نے موقعہ پا کر اس میں جھانکا اس لمحے حضرت آدم کے اندر حق و باطل کی جنگ شروع ہوئی اگر اللہ اپنے اذن سے اس عکس کو نکال دیتا جو آدم کے دل میں پڑ چکا تھا تو بے انصاف کہلاتا اس لیے اس نے ابلیس کو مہلت دی اور انسان کو ترغیب دی کہ وہ اپنا آئینہ صاف کر لے اس وقت سے آج تک حق باطل کی جنگ جاری ہے جنگ کا میدان'' انسان ہے..... اللہ کی کل کائنات میں صرف انسان ایسا ہے جو اپنی سرشت بدلنے پر قادر ہے اپنے آئینے کو صاف کر سکتا ہے جیت اللہ کی ہوگی لیکن موقع ابلیس کر برابر کا فراہم کیا جائے گا آپ دیکھتے نہیں آقا اس جنگ کی وجہ سے انسان کی کیا حالت ہوئی..... اگر وہ دیوانہ ہے تو اس تضاد کے ہاتھوں..... فرزانہ ہے تو اسی تضاد کی وجہ سے سرخاب اٹھا اور مودب لہجے میں بولا..... ''آقا یہ بحث لمبی ہے انسان کی سرشت کو یا تو خدا سمجھتا ہے یا ابلیس..... انسان تو ابھی خود اپنی سرشت کو سمجھ نہیں پاتا تو جانتا ہے کہ انسان کا خمیر نیکی سے اٹھا ہے چور اچکا ڈاکو بدمعاش ساری عمر بدی کمائے ایک توبہ کے وضو سے اس کی بدی دھل سکتی ہے بدی اس کے آئینے میں فقط ابلیس کے عکس کی طرح رہتی ہے عکس ڈالنے والا نہ ہو تو آئینہ پاک رہتا ہے لیکن پھر یہ بات لمبی ہے۔''

اتنے میں ایک بوڑھا کوا اٹھا اور کہنے لگا..... ''میں انسانوں کے پاس رہا ہوں اور جانتا ہوں کہ ان کی دیوانگی کا ان کی سرشت بھی ایک..... ایک انسان کو خالق نے اس طور پر بنایا ہے کہ اس کا وجود تو ایک ہے لیکن اس کی روح، سائیکی سرشت عقل قلب جانیے کیا کیا کچھ کئی رنگ کے ہیں وہ کسی کے ساتھ شیر ہے کسی کے ساتھ بکری